Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:6 (1968) © rasailojaraid.com

خاندانی منصوبہ بندی کا قرآنی تصوّر

سیّد قدرۃ اللہ فاطمی

یہ مقالہ خاندانی منصوبہ بندی کی اس مجلس مذاکرہ میں پڑھا گیا جو بہ تقریب عشرۂ اصلاحات و ترقی بتاریخ ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۸ء، بمقام اسلام آباد، زیر صدارت جناب انور عادل، ستارۂ قائداعظم، سی۔ ایس۔ پی، منعقد ہوئی۔ ــــــــــــــ مدیر

تمہید

مذہب و فلسفہ کی تاریخ میں دو متضاد رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف رہبانیت یعنی ترکِ دنیا کی تلقین کی جاتی رہی ہے تو دوسری طرف تسخیر دنیا کی تعلیم دی گئی ہے۔

ہندوستان کے تینوں بڑے مذاہب یعنی ہندو دھرم، بودھ مت اور جین مت رہبانیت کے قائل ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے مذاہب میں مسیحیت اور بالخصوص اس کے کیتھولک فرقہ کا بھی یہی مسلک رہا ہے۔ ان مذاہب کے نزدیک جوگیوں، سنیاسیوں، راہبوں اور ننوں کی تجرّد کی زندگی ہی مثالی (آئیڈیل) زندگی ہے۔ رشتۂ ازدواج کو یہ مذاہب مانتے ہیں مگر بدرجۂ مجبوری۔ یہ شادی بیاہ کی صرف اس لئے اجازت دیتے ہیں کہ اس کے بغیر انسانی نسل باقی نہیں رہ سکتی۔ ان کے نزدیک ازدواجی زندگی کا واحد مقصد افزائشِ نسل ہے۔ یہ عورت کو محض ماں کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اس کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت نہیں۔ یعنی مسیحی فلسفہ کی زبان میں عورت کی اپنی کوئی روح نہیں۔ وہ تو بچّے پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور بس۔ ہندو دھرم نے اس پر اضافہ یہ کیا ہے کہ اس کے نزدیک اس عورت کی عزت ہے جو بیٹوں کی ماں ہو۔ صرف بیٹیاں جننے والی عورت بھی منحوس ہے گرچہ بانجھ اور بیوہ سے کم۔ ہندو سماج میں بیٹوں کی یہ اہمیت اس لئے ہے کہ اگر مرنے والے کا کریا کرم (آخری رسوم) کرنے کے لئے بیٹا موجود نہ ہو تو مُردہ کو مکتی (نجات) حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے ہندوؤں کے خیال میں زیادہ سے زیادہ بیٹے پیدا کرنے چاہئیں تاکہ مرتے وقت ارتھی (لاش) کو آگ دکھانے کے لئے کوئی نہ کوئی بیٹا موجود ہو۔

ان مذاہب کے مقابلہ میں اسلام تسخیر کائنات کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ سَخَّرَ لَکُم مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اللہ نے یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فِی الْاَرْضِ (۳۱ : ۲۰ و ۴۵ : ۱۳)[1] — یہ سب تمہارے لئے مسخر کر دیئے ہیں۔

قرآن حکیم ہمیں حکم دیتا ہے کہ

وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا (۲۸ : ۷۷) — اس دنیا میں جو تمہارا حصہ ہے اسے ہرگز فراموش نہ کرو۔

وہ ہدایت کرتا ہے کہ ہماری آرزو یہ ہو کہ

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً۔ (۲ : ۲۰۱) — اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی۔

قرآن حکیم آسائش اور آرائش بخشنے والی چیزوں کو اللہ کی زینت بتاتا اور کہتا ہے کہ یہ سب چیزیں ہم نے اپنے بندوں ہی کے لئے پیدا کی ہیں۔ انہیں انسانوں پر حرام کرنے والا کون ہوتا ہے؟

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ (۷ : ۳۲) — کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) کہ اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی، اسے حرام کس نے کیا؟

قرآنِ حکیم کی رُو سے عورت کا وظیفۂ حیات اور اس کا مرتبہ

زندگی کے مثبت نظریہ کے تحت اسلام عورت کو اس کا عظیم مرتبہ اور رشتۂ ازدواج کو اس کی صحیح قدر بخشتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (۲ : ۱۸۷) — عورت اور مرد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ (۲ : ۲۲۸) — عورتوں کے جیسے فرائض ہیں ویسے ہی ان کے حقوق بھی ہیں۔

قرآن مجید اس بدیہی حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کرتا کہ عورت کے بغیر نسلِ انسانی باقی نہیں رہ سکتی۔ وہ اسے کھیتی سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی رونق کھیتوں ہی کے دم سے قائم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ (۲ : ۲۲۳) — تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں تو تم اپنی کھیتی کے پاس جس طرح چاہو آؤ۔ اور اپنے واسطے آگے کی تدبیر کرو۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ تشبیہ اس نے محض ضمناً دی ہے برسبیل تذکرہ۔ وہ عورت کی خلقت کا مقصد افزائشِ نسل ہرگز قرار نہیں دے رہا ہے۔ اسے تو یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جنسی فعل جس طرح چاہو

---

[1] قرآن مجید کے تمام حوالوں میں پہلے سورہ کا نمبر شمار درج کیا گیا ہے اور پھر آیت کا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انجام دو، اس بارے میں خدا کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں۔ البتہ اس کے انجام اور اپنے مستقبل کی طرف سے ہرگز بے فکر نہ ہو۔ جنسی فعل کا ثمرہ بیٹے یا بیٹی کی پیدائش کی صورت میں ظہور پائے یا سرے سے یہ کھیتی بارآور نہ ہو، اس سے قرآن کو کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ وہ تو واضح طور پر یہ کہتا ہے کہ

یَهَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ الذُّکُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّیَجْعَلُ مَنْ یَّشَاءُ عَقِیْمًا۔ (۴۲ : ۴۹۔۵۰)	اللہ جسے چاہتا ہے، بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، بیٹے بخشتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، بے اولاد رکھتا ہے۔

یہاں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے سب سے پہلے بیٹیوں کا ذکر کیا ہے: یَهَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَاثًا۔ (وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے)۔ ماں، بیٹی اور بیوی، ان تینوں حیثیتوں میں سے اسلام عورت کو بیٹی کی حیثیت میں سب سے بلند درجہ بخشتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی عورت کی بنیادی حیثیت ہے۔ خدیجہ الکبریٰ رضؓ، عائشہ صدّیقہ رضؓ اور فاطمۃ الزہراء علیہا السلام یعنی مثالی ماں، مثالی بیوی اور مثالی بیٹی، تینوں کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ لیکن سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ فَاطِمَۃُ الزَّهْرَاء تمام عورتوں کی سرداری نورِ دیدۂ رسول فاطمہ بتول ہی کو حاصل ہے۔ عَلَیْهَا وَعَلٰی وَالِدَیْهَا وَابْنَاهَا وَ زَوْجِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام۔

قرآن حکیم کی روشنی میں ازدواجی زندگی کا مقصد

قرآن حکیم کے نزدیک ازدواجی زندگی کا حقیقی مقصد سکون، محبت اور رحمت کا حصول ہے۔

اکیسویں پارے کی سورہ الرّوم کی اکیسویں آیت ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (۳۰ : ۲۱)	اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم مردوں کے لئے تمہاری ہی جنس میں سے بیویاں پیدا کیں۔ تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے آپس میں مودّت اور رحمت کے جذبات پیدا کئے۔ یقیناً اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں

اس آیت کا پہلا قابل غور ٹکڑا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لِتَسۡكُنُوٓا اِلَيۡهَا۔ تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔

قرآن کا لفظ "سکون" اپنے اندر جہانِ معنی پوشیدہ رکھتا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ [1] نے اس کے معانی سے بحث کرتے ہوئے اس کے دو مفہوم متعین کئے ہیں۔ ایک "ثُبُوۡتُ الشَّيۡئِ بَعۡدَ تَحَرُّكٍ" یعنی ہیجان اور حرکت کے بعد کسی چیز کا قرار و ثبات حاصل کر لینا۔ دوسرے "اِسۡتِیۡطَان" یعنی گھر بسانا، سکونت اختیار کرنا۔ "لِتَسۡكُنُوٓا اِلَيۡهَا" میں لفظ "سُکُوۡن" کے یہ تمام مفہوم مضمر ہیں۔ عورت ہی کے دم سے گھروں کی آبادی ہے۔ اسی کے دامن میں قرار و ثبات ہے۔ اسی کا وجود وجہ طمانیت و سکون ہے

نفاست و محبوبیت اور سکون افزائی و سکونت بخشی تو عورت کی منفرد خصوصیات ہیں لیکن ازدواج کا تقاضا ہے کہ کچھ اوصاف مرد اور عورت، شوہر اور بیوی میں اس رشتہ کی رُو سے مشترک ہوں۔ ان کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے: وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً۔

لفظ "مَوَدَّة" کے مادہ "ودّ" کی تشریح کرتے ہوئے امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں: "مَحَبَّةُ الشَّيۡئِ وَتَمَنِّيۡ كَوۡنِهٖ" یعنی کسی چیز سے محبت کرنا اور اس کے ہونے کی تمنا کرنا۔ گویا مودّت محض محبّت نہیں بلکہ آرزو بھی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے صرف جہانِ محبّت نہیں بلکہ جانِ تمنّا بھی ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں محبت کو نہیں مودّت کو شامل کیا ہے، جو جذبۂ محبت کا مکمل ترمظہر ہے۔ چنانچہ اسمائے حسنیٰ میں سے ایک پیارا نام ہے: اَلۡوَدُوۡدُ۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

اِنَّ رَبِّيۡ رَحِيۡمٌ وَّدُوۡدٌ (۱۱: ۹۰) بے شک میرا پروردگار رحیم اور ودود ہے۔

لفظ "رَحۡمَة" کے لغوی معنی سے بحث کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی اس کی یوں تشریح کرتے ہیں: "رِقَّةٌ تَقۡتَضِيۡ الۡاِحۡسَانَ اِلَى الۡمَرۡحُوۡمِ" یعنی وہ نرم دلی جو کسی کو دوسرے پر احسان کرنے کے لئے مجبور کرے۔ امام راغب کی یہ توضیح بہت تشنہ ہے۔ اور اس کی پوری تشریح ایک دفتر کی متقضی ہے۔ کیوں نہ ہو جب کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، جو پوری کائنات کو محیط ہے۔ اللہ خود ارشاد فرماتا ہے:

وَرَحۡمَتِيۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡئٍ (۷: ۱۵۶) اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔

---

[1] امام راغب اصفہانیؒ قرآن مجید کے الفاظ کے مشہور اور مستند شارح ہیں۔ یہاں ان کی قرآنی لغت کی کتاب "المفردات فی غریب القرآن" کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کی صفات رحمانی و رحیمی کی مظہر ہے یہ حقیقت کہ اس نے اپنی صفات مودّت و رحمت زوجین کو عطا فرمائیں اور رشتہ ازدواج کی بنیاد شوہر اور بیوی کے آپس میں مودت و رحمت کی صفات کی تخلیق پر رکھی۔ وَلَهُ الحَمدُ !

آیت کے اختتام پر ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ فِي ذَالِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ اللہ کی یہ نشانی ان کے لئے ہے۔ یعنی رشتۂ ازدواج سکون بخش، محبت افزا اور باعثِ رحمت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔ تو آیئے، ذرا اس آیت پر ایک بار پھر غور کریں اور سوچیں کہ آیا گھر کا سکون، میاں بیوی کی آپس کی محبت اور معاشی فراغت کی رحمت اس کنبہ کا حصہ ہے، جہاں بچے ایک سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ کے تحت کتمِ عدم سے وجود میں آئے ہوں یا جہاں اندھا دھند بچوں کی ریل پیل ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ قرآن حکیم کی اس آیت کی رُو سے رشتۂ ازدواج کا حقیقی مقصد حصولِ سکون و محبت و رحمت ہے اور ہمیں خاندانی منصوبہ بندی کو اسی اور صرف اسی معیار پہ جانچنا ہے۔

عرب جاہلیت کے معاشرہ میں بیٹوں اور بیٹیوں کا مقام اور اس بارے میں قرآن کا موقف

ہندو سماج کی طرح عربِ جاہلیت کے معاشرہ میں بھی بیٹی کا کوئی درجہ نہ تھا۔ بیٹی معاشرتی طور پر ان کے لئے ایک ننگ تھی اور معاشی لحاظ سے ایک بوجھ۔ اس کے برخلاف بیٹے باعثِ فخر تھے! اس لئے کہ ان سے نسل چلتی تھی اور نسب کا غرور قائم رہتا تھا۔ وہ مستقل دولت تھے۔ اس لئے کہ جنگ و جدال میں کام آتے تھے۔ لوٹ مار کر کے گھر میں مال لاتے تھے۔ اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ چرانا اور تجارت کے قافلے لانا اور لے جانا بھی ان ہی کا کام تھا۔ زرعی اور صنعتی معیشت میں عورت افزائشِ دولت میں مرد کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ لیکن عربِ جاہلیت میں کھجوروں کے چند نخلستانوں کو چھوڑ کر نہ کھیتی باڑی تھی نہ کوئی اہم صنعت و دستکاری۔ ان کی معیشت کا انحصار گلّہ بانی اور بین الاقوامی بحری و برّی تجارت پر تھا اور ان میں سے کسی میں بھی عورت مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اسی لئے ولید بن مغیرہ جیسے قریش کے بڑے بڑے سردار بیٹوں کی کثرت پر گھمنڈ کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے انتیسویں پارے کی سورہ القلم اور سورہ المدّثّر میں قریش کے ان سرداروں کی سرکشی کا سبب ہی یہ بتایا ہے کہ انہیں اپنے سرمایہ کی فراوانی اور بیٹوں کی کثرت پر ناز تھا۔ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ (۶۸ : ۱۴) وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَّبَنِينَ شُهُودًا (۷۴ : ۱۲-۱۳) قرآن کریم کی یہ آیات اللہ تعالیٰ کی شانِ قہر مانی اور اس کے غیظ و غضب کا سب سے نمایاں مظاہرہ ہیں۔ ان میں اولاد کی کثرت پر گھمنڈ کرنے والوں کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تازیانۂ عبرت ہے۔

اولاد کی کثرت پر ناز کرنا صرف ولید بن مغیرہ جیسے سردارانِ قریش ہی کی عادت نہ تھی بلکہ قرآن حکیم یہ کہتا ہے کہ کثرتِ اولاد پر بھروسہ کافروں کی عام علامت ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ۔ (۳۴: ۳۴-۳۵)

ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے سرمایہ داروں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم تو بڑی دولت والے اور بہت سی اولاد والے ہیں۔ ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

اسی لئے قرآن حکیم نے عمومی طور پر سرمایہ داری اور کثرتِ اولاد کی ہوس یعنی قرآن کے اپنے لفظوں میں "تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ" دونوں کی یکساں مذمت کی ہے (۵۷: ۲۰)

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا، عرب دورِ جاہلیت میں بیٹیوں کی نہیں بلکہ بیٹوں کی کثرت چاہتے تھے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے جہاں عام کافروں کا نہیں بلکہ خاص قبیلہ قریش کے سرکش سرداروں کا ذکر کیا ہے (یعنی سورہ القلم اور سورۃ المدّثر کی آیات میں) وہاں "اَوْلَاد" کا عام لفظ نہیں بلکہ "بَنِیْن" (یعنی بیٹوں) کا خاص لفظ استعمال کیا ہے۔

بیٹیوں کے معاملہ میں عہدِ جاہلیت میں عرب انتہائی سنگدل واقع ہوئے تھے۔ وہ اکثر انہیں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یہ رسم قبائل مضر اور ربیعہ میں نسبتاً زیادہ عام تھی۔ قرآن حکیم نے ان کی اس ظالمانہ رسم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ (۱۶: ۵۸-۵۹)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری ملتی ہے تو اس کا منہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے۔ اور اس خوش خبری کو سن کر وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ لڑکی کو زندہ رہنے دوں اور ذلّت برداشت کروں یا اسے زمین میں گاڑ دوں۔ دیکھو تو ان کے فیصلے کتنے برے ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ بیٹی کو زندہ گاڑ دینے کی یہ شقاوت مائیں اکثر خود اپنے ہاتھوں سرانجام دیتی تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی لئے قرآن حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جب آپؐ کے پاس عورتیں ایمان لانے کے لئے آئیں تو آپؐ ان سے جہاں شرک، چوری اور زنا سے بچنے کی بیعت لیں، وہاں ان سے یہ وعدہ بھی کرائیں کہ

وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ (۶۰ : ۱۲) اور وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

قرآن حکیم نے ایک اور جگہ بڑے دل دوز انداز میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ بیٹی! تو کس گناہ میں ماری گئی؟ وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (۸۱ : ۸-۹)

حالی کو خدا غریق رحمت کرے، انھوں نے اپنے مسدّس میں ان قرآنی آیات کا خلاصہ بہت خوبی سے پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

"وأدالبنات" یعنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی اس سنگدلانہ رسم کا ایک سبب تو خوفِ شماتت تھا۔ دوسرا اور زیادہ اہم سبب معاشی تھا۔ یعنی جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے، بیٹی جاہلی عربوں کے لئے معاشرتی طور پر عار اور معاشی لحاظ سے بار تھی۔ قرآن نے اس رسم کا قلع قمع کرنے کے لئے مکرر اور مختلف پیرایوں میں اس کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ معاشی فریب کو دُور کرنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔ کیونکہ
نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَھُمْ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ
کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا (۱۷ : ۳۱) ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔

آٹھویں پارے میں سورہ الانعام کی آیت ۱۳۸، ۱۴۱ اور ۱۵۲ میں اسی مضمون کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ان تینوں آیتوں میں قرآن نے لفظ "اَوْلَاد" استعمال کیا ہے، جس سے مراد بیٹیاں ہیں۔ چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ سے لے کر علامہ سیّد قطبؒ[1] تک تمام مستند مفسرین کا خیال یہ ہے کہ ان آیات میں "وَأْدُالْبَنَات"

---

[1] امام ابن جریر طبریؒ دورِ متقدمین کے عظیم مؤرخ، مفسّر اور فقیہ تھے۔ ان کی تفسیر صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کی تفسیری روایات کا مستند ترین ذخیرہ ہے۔ علامہ سیّد قطبؒ موجودہ دور کے* (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بھیانک رسم کا ذکر ہے۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ عربِ جاہلیت کی تاریخ سے بیٹوں کے قتل کی کسی رسم کا پتہ نہیں چلتا۔ لے بلکہ جیسا کہ میں نے سورہ القلم اور سورہ المدثر کے حوالہ سے عرض کیا تھا، عرب جاہلیت

---

* نامور مصری عالم اور الاخوان المسلمون کے سیاسی رہنما تھے۔ آپ کی تفسیر "فی ظلال القرآن" بیش قیمت تفسیری کارنامہ ہے۔ یہ تفاسیر آیات متعلقہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ بالخصوص تفسیر طبری، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۷ھ جلد ۸ صفحہ ۳۲ و ۳۸ اور "فی ظلال القرآن" طبع ثانی جلد ۸ صفحہ ۳۹

لے سیرت کی بعض کتابوں میں یہ قصہ نقل کیا گیا کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدِ امجد جناب عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے ان کی یہ خواہش پوری کی۔ اور نوبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدِ ماجد کی قربانی درپیش تھی کہ آخر کار بات صرف سو اونٹوں کی قربانی پر ٹل گئی۔ اس قصے سے بعض اربابِ قلم کو دھوکہ ہوا ہے کہ عربِ جاہلیت میں بیٹوں کی قربانی کی رسم عام تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں (طبع بیروت ۱۹۵۷ء جلد ۱ صفحہ ۸۸-۸۹) واقدی کی روایت سے مختصراً اور ابن ہشام نے سیرت میں (طبع مصر ۱۹۳۷ء جلد ۱ صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۹) اور طبری نے تاریخ میں (طبع لیڈن ۱۹۶۴ء جلد ۱ صفحہ ۱۰۷۴ تا ۱۰۷۹) ابن اسحاق کی روایت سے بالتفصیل اس قصہ کو نقل کیا ہے۔ بقول علامہ شبلیؒ "واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے" (سیرۃ النبیؐ طبع ششم جلد ۱ صفحہ ۲۳) رہے ابن اسحاق تو وہ اس قصہ کو یوں شروع کرتے ہیں :- "وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ فِي مَا يَزْعُمُوْنَ (يَذْكُرُوْنَ طبری) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ قَدْ نَذَرَ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۴۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۰۷۴)۔ ("لوگوں کا گمان ہے یا بروایتِ طبری لوگ یہ چرچا کرتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم نے منت مانی تھی لیکن حقیقتِ حال کو خدا بہتر جانتا ہے۔") مجہول لوگوں کے گمان اور ان کے چرچا کرنے پر جس روایت کا انحصار ہو، وہ یقیناً سند کے قابل نہیں۔

اس کے باوجود موضوعِ زیرِ غور کے لحاظ سے ابن اسحاق کی روایت کا یہ ٹکڑا اہم اور لائقِ توجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب کی اس نذر کی خبر جب عرب میں پھیلی تو مختلف سرداران قبائل عبدالمطلب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ لَئِنْ فَعَلْتَ هٰذَا لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَأْتِي بِابْنِهِ حَتّٰى يَذْبَحَهُ فَمَا بَقَاءُ النَّاسِ عَلٰى هٰذَا (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۶، تاریخ طبری صفحہ ۱۰۷۶) * (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹوں کی کثرت پر بڑا فخر کرتے تھے

ہمارے ملک کے بعض عالم بزرگوں نے وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ والی آیت سے ضبطِ ولادت کی ممانعت کا مضمون حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ضبط ولادت (عزل) کے جائز اور مباح ہونے کے بارے میں ایک نہیں بلکہ متعدد صحیح حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ اس کی تائید میں جلیل القدر صحابہ کرام کے آثار (اقوال) موجود ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں فقہی مذاہب کے ائمہ اس کے جواز پر متفق ہیں۔ لیکن ہمارے یہ بزرگ عالم ان تمام صحیح احادیث، آثار اور اقوالِ سلف کو ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ سب کے سب اس قرآنی آیت کے خلاف ہیں۔ اگر اس آیت (اور اسی مضمون کی بقیہ تین آیتوں) میں لفظ "اَوْلَاد" سے بیٹیاں ہی نہیں بلکہ بیٹے بھی مراد لئے جائیں (حالانکہ ایسا کرنا قرآن حکیم کی بعض دوسری آیات اور تاریخی حقائق کے خلاف ہوگا) تب بھی اس آیت سے ضبط ولادت کی ممانعت ثابت کرنا حیرت انگیز بات ہے۔ اس موضوع پر مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی نے جو دلچسپ تبصرہ فرمایا ہے، وہ اس لائق ہے کہ اسے ان کے الفاظ ہی میں بیان کیا جائے۔

> "...سوال یہ ہے کہ مادّہ منویہ کے جراثیم کو قتل کرنا قتل اولاد میں داخل ہے؟ کیا ایک گٹھلی کو برباد کرنے والے پر ہم وہی تاوان لگا سکتے ہیں جو ایک درخت کو کاٹنے والے پر لگا لیتے ہیں؟ ہر گٹھلی درخت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پھر اس سے

※ (اگر آپ نے ایسا کیا یعنی اپنے بیٹے عبداللہ کو قربان کر دیا تو اور لوگ بھی اپنے اپنے بیٹوں کو لا کر ذبح کرنے لگیں گے۔ ایسی صورت میں نسلِ انسانی کے بچنے کی کوئی صورت نہ رہے گی) غرض اس روایت سے بھی یہ ظاہر ہوا کہ بیٹوں کی قربانی کی کوئی رسم عربوں میں نہ تھی۔ اسی لئے عبدالمطلب کے فعل سے عرب سرداروں کو ڈر تھا کہ کہیں یہ رسم نہ پڑ جائے۔ اکثر بیٹیاں تو زندہ درگور کر ہی دی جاتی ہیں۔ اب بیٹے بھی مارے جانے لگے تو نسل کیسے باقی رہے گی۔

۳؎ مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی نے اپنے رسالہ "تحدید نسل" اور پروفیسر رفیع اللہ صاحب نے خاندانی منصوبہ بندی پر اپنے متعدد رسالوں میں ان تمام روایات کو بخوبی جمع کر دیا ہے۔ ان کا اعادہ کرنا یہاں ضروری نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئے نئے درخت پیدا ہو سکتے ہیں لیکن گٹھلی کو ضائع کرنے والا باغ کو برباد کرنے والا نہیں کہلا سکتا۔ اس طرح اولاد صرف وہی ہے جو جیتی جاگتی شکل میں پیدا ہو جائے۔ اسے قتل کرنا یقیناً ایک بدترین جرم ہے۔ آیت قرآنی میں اس کی ممانعت ہے نہ کہ مادّہ تولید کو ضائع کرنے کی۔ پھر ہر شخص جانتا ہے کہ ہر وظیفہ جنس کئی ارب جراثیم زندگی (SPERMS) کو باہر لے آتا ہے۔ اور ان میں فقط ایک کو قدرت اولاد بننے کے لئے منتخب کر لیتی ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان جان بوجھ کر ایک عدد اولاد کی خاطر کئی ارب اولاد کو قتل کر دیتا ہے؟۔ مادّۂ تولید کی اضاعت کو اولاد کا خون قرار دینا ایسی ہی شاعری ہے جیسے

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا — کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

سچ پوچھیے تو اولاد کا خون اس وقت ہوتا ہے جب اولاد پر اولاد پیدا کئے جائیں اور جسمانی اور روحانی حیثیت سے زندہ رکھنے کا کوئی سامان نہ کیا جائے۔"

"تحدید نسل" شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ صہ ۴۵ - ۴۶

قرآن اولاد کی کثرت کا نہیں اولاد کی صالحیت کا طلب گار ہے۔

ہم نے دیکھا کہ عرب جاہلیت بیٹوں کی کثرت پر فخر کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قرآن نے جہاں "وَأْدُ البَنَات" (بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے) کی رسم کو ختم کیا اور عورت کو اس کا عظیم مرتبہ واپس دیا، وہاں اس نے بیٹے ہوں یا بیٹیاں، کثرتِ اولاد کی ہوس کی مذمت کی۔ اسے وہ "تکاثُر فی الاولاد" کہتا ہے اور اس کو کفار کے کردارِ بد کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو آیات ۳۴ : ۳۴-۳۵ و ۵۷ : ۲۰ و ۶۸ : ۱۴ و ۷۴ : ۱۲ جن کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔

قرآن حکیم اولاد کی کثرت کی جگہ اولاد کی صالحیت اور صلاحیت کو مطمح نظر بنانے کی دعوت دیتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی زبانی ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہماری آرزو یہ ہو کہ

رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (۳ : ۳۸) — اے میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انیسویں پارے کی سورہ الفرقان کے آخری رکوع میں جہاں "عِبَادُ الرَّحمٰن" یعنی اللہ کے نیک بندوں کی سیرت کشی کی گئی ہے، وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نیک بندے وہ ہیں جو یہ تمنا رکھتے ہیں کہ ان کی اولاد وہ ہو جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (۲۵ : ۷۴) اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ بیویاں سکونِ قلب کا سرچشمہ ہوں۔ یہاں قرآن حکیم اسی مضمون کا اعادہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی بیویاں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہونی چاہئیں۔

چھبیسویں پارے کے پہلے رکوع میں ماں کے احسانات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح وہ حمل و وضعِ حمل اور رضاعت کی شدید مصیبتیں جھیلتی ہے۔ عورت کو بچے پیدا کرنے میں جو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، اس کا قرآن نے بہ تکرار اور بالتفصیل ذکر کیا ہے تاکہ مرد اسے نہ بھولیں۔ ساتھ ہی سچے مومنوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ خدا سے یہ چاہیں کہ ان مصیبتوں سے پیدا ہونے والی اولاد صالح ہو اور باصلاحیت۔ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ (۴۶ : ۱۵)

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے کے واقعہ سے قرآن حکیم ہمیں درس دیتا ہے کہ بُری اولاد تو سرے سے اولاد کہلانے کی مستحق ہی نہیں اور ناہنجار ناکارہ اولاد سے بہتر ہے کہ آدمی لاولد ہو۔ قرآن کا ارشاد ہے:

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (۱۱ : ۴۶) خدا نے کہا کہ اے نوح! یہ بیٹا تمہاری اولاد میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ تو مجسم بدکرداری ہے۔

الغرض قرآن حکیم یہ چاہتا ہے کہ اولاد پاکیزہ ہو۔ آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، نیک صالح ہو اور یہ صلاحیت رکھتی ہو کہ اس سے قوموں کی امامت کا کام لیا جائے۔ قرآن کیفیت (QUALITY) اور خوبی کا طلب گار ہے۔ کمیت (QUANTITY) اور تعداد کا نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ہجومِ مومنیں سے شکوہ ملک و دیں وابستہ نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ دین و وطن کا دفاع کثرتِ تعداد پر منحصر نہیں۔

قرآن حکیم اس حقیقت کا برملا اظہار کرتا ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲ : ۲۴۹) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکمِ الٰہی سے غالب آگئیں۔

قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تائید میں تاریخ بار بار گواہی دیتی رہی ہے۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے آپ کے اپنے زمانے کی بات ہے کہ ایک طرف مارشل پیتاں کے دور کا فرانس تھا، جو بزدلی اور اپنی صفوں میں غداروں اور غیر ملکی طاقتوں کے ایجنٹوں کے باعث ہٹلر کی فوجوں کے ہاتھوں شکست کھا گیا اور اس شکست کا الزام اس نے آبادی کی قلت کے سر ڈالا۔ دوسری طرف ستمبر ۱۹۶۵ء کا پاکستان ہے، جو اپنے سے پانچ گنی بڑی طاقت سے نبرد آزما ہوا اور باذن اللہ یہ دکھا دیا کہ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز

تعداد کی کثرت پر بھروسہ میدانِ جہاد میں شکست کا سبب بنتا ہے۔ غزوۂ بدر میں جب مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے تو انھوں نے کفار کو شکستِ فاش دی۔ لیکن غزوۂ حنین کے موقع پر جب ان کی فوج کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ قرآن نے اس واقعہ کا ذکر یوں کیا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ (۹:۲۵)

اور حُنین کی لڑائی کے دن جب کہ تمھیں اپنی کثرتِ تعداد پر بڑا ناز تھا۔ تو یہ تعداد تمھارے کام نہ آئی۔ اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم اُلٹے پاؤں بھاگ پڑے۔

خاندانی منصوبہ بندی کا معاشی پہلو قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآن حکیم جس معاشی نظام کا داعی ہے، اس میں ہر فرد کو اس کی روزی کا سامان بہم پہنچانے کی ضمانت دی جاتی ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (۱۱:۶)

روئے زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کی روزی کا سامان اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

اب اگر دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ پیٹ بھر کر کھانے تک سے محروم ہے تو اس صورت حال کی اصلاح وقت کی سب سے اہم اور اوّلین ضرورت ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اچھی طرح سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ کے تحت پیداوار بڑھانے اور خرچ کو بڑھنے سے روکنے کی انتھک کوشش کی جائے۔

بعض بزرگ ہمیں الٹی تدبیریں سمجھاتے ہیں۔ وہ دنیا کی بڑھتی ہوئی بھوک کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سعی و عمل کی تلقین کی جگہ اللہ کی رزاقیت پر توکل کرنے کا سبق دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم کا اٹل فیصلہ ہے:

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۵۳:۳۹)

انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیداوار اور خرچ کی نسبت کو متوازن بنانے کے لئے معیشت کے ہر شعبہ کی منصوبہ بندی ضروری ہے اور یہی قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ خود خدا نے ہر چیز کو ایک سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ اور ایک مقررہ پیمانہ کے مطابق بنایا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ (۴۴: ۳۸-۳۹)

اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، ان کو کھیل ہی کھیل میں نہیں پیدا کیا۔ ہم نے تو زمین و آسمان کو مصلحت سے بنایا ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (۵۴: ۴۹)

ہم نے ہر چیز ایک مقررہ اندازے اور پیمانے سے بنائی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (۱۳: ۸)

ہر چیز خدا کے ہاں ایک مقررہ اندازہ سے ہے۔

خدا نے جہاں ہر چیز کو خود اندازہ اور پیمانہ کے مطابق بنایا، وہاں ہر چیز کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر دیا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (۶۵: ۳)

خدا نے ہر چیز کے لئے پیمانہ بنا دیا ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پیمانہ کو دریافت کریں کیونکہ ہم خدا کی امانت کے حامل (۳۳: ۷۲) اور زمین پر اس کے خلیفہ (۲: ۳۰-۳۳) ہیں۔

یوں تو زندگی کے ہر شعبہ میں مقررہ پیمانہ کی دریافت اور اس کے مطابق منصوبہ بندی ضروری ہے، لیکن تخلیقی عمل کے سلسلہ میں میاں بیوی کی ذمہ داری کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے اثرات ایک معصوم زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔ نتائج پر نظر کئے بغیر اس کا سرزد ہونا انتہا درجہ کی غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ ایسی بلا سوچی سمجھی غیر ذمہ دارانہ حرکت کے نتیجے کنبے کی معاشی حالت کے لئے دردناک ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم اس قسم کی صورت حال کی نشان دہی کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ (۴: ۹)

اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو اس حالت میں ہوں کہ اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور ان کو ان بچوں (کے مستقبل) کی طرف سے خوف ہو۔

بغیر کسی منصوبہ بندی کے بچے پیدا کرنے کی ایک انتہائی تکلیف دہ شکل یہ ہے کہ خود بڑھاپے کو پہنچ چکا ہو لیکن تکاثر فی الاولاد (اولاد کی کثرت کی ہوس) میں کمی نہ آئی ہو۔ یعنی قرآن حکیم کے لفظوں میں

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۱۰۲: ۱-۲)

تمہیں کثرت کی ہوس نے انجام سے غافل رکھا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی دنیا میں اس کے تباہ کن نتائج قرآن حکیم کی ایک خوب صورت تمثیل میں اس طرح واضح کیے گئے ہیں :

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (۲:۲۶۶)

بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لئے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اسے بڑھاپا آ پکڑے اس حال میں کہ اس کے ننھے ننھے بچے ہوں۔ ایسے میں اس باغ پر جھلستی ہوئی آندھی چلے اور باغ جل کر ویران ہو جائے۔ اللہ اسی طرح (مثالوں کے پیرایہ میں) تم پر حقیقت کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو۔

یقیناً اس تمثیل میں داستانِ عبرت ہے اور جہانِ معنی، مگر ان کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

قرآن حکیم کی روشنی میں خاندانی منصوبہ بندی کا اخلاقی پہلو

خاندانی منصوبہ بندی کا اخلاقی پہلو اس کے معاشی رخ سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن اب تک اس پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس بارے میں ہم چند نکات درج کرتے ہیں جو تدبّر فی القرآن کا عطیہ ہیں۔

(۱) وظیفۂ جنس ادا کرتے وقت انسان اپنے آپے میں نہیں رہتا۔ وہ اس کی انتہائی وارفتگی کا لمحہ ہوتا ہے۔ ایسے عمل کے ساتھ منصوبہ بندی اور پیش بینی کے جذبات کا وابستہ ہونا اور اس وقت بھی اپنے عمل کے عواقب کو فراموش نہ کرنا یقیناً مؤثر اخلاقی تربیت ہے۔

ضبطِ ولادت کے لئے ضبطِ نفس کم و بیش ضروری ہے۔ اور نفس پر قابو پانا ہی قرآن حکیم کی اخلاقی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ یہی تقویٰ (یعنی پرہیزگاری بچ کر چلنے کی عادت) کی اصل ہے۔ اِسی کے لئے قرآن حکیم نے یہ بشارت دی ہے۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (۷۹: ۴۰-۴۱)

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو یقیناً جنت اس کا ٹھکانا ہے۔

(۲) روزِ قیامت پر یقین کی حکمت یہ ہے کہ انسان کل کے لئے توکّل سے کام نہ لے بلکہ اسے اپنے فردا کی فکر ہو :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ (۵۹:۱۸) اور ہر شخص اس بات پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا اٹھا رکھا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی زندگی کے ایک اہم ترین شعبہ میں فکر فردا کی دعوت دیتی ہے۔

روزِ قیامت پر یقین ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ

کُلُّ امۡرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیۡنٌ (۵۲:۲۱) ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروی ہے۔ —— یعنی

گندم از گندم بروید جَو ز جَو — از مکافاتِ عمل غافل مشو[1]

اور خاندانی منصوبہ بندی کے معنی یہ ہیں کہ میاں بیوی جنسی فعل کے نتائج اور اس کی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کریں۔

"عورت کا وظیفۂ حیات اور اس کا مرتبہ" کے عنوان سے ہم نے شروع ہی میں سورہ البقرۃ کی آیت ۲۲۳ کے پہلے حصہ کے مفہوم کے بارے میں اپنی معروضات پیش کی تھیں۔ یہاں یہ ضروری ہے کہ ہم اس کے بقیہ حصہ پر غور کریں۔ پوری آیت یوں ہے:

نِسَآؤُكُمۡ حَرۡثٌ لَّكُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ اَنّٰى شِئۡتُمۡ وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ مُّلٰقُوۡهُ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں تو تم اپنی کھیتی کے پاس جس طرح چاہو آؤ۔ اور اپنے واسطے آگے کی تدبیر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس کے حضور حاضر ہونا ہے اور (اے پیغمبر) بشارت دیجئے ان کو جو ایمان والے ہیں۔

قرآن حکیم نے میاں بیوی کے جنسی فعل کے ذکر کے فوراً بعد ارشاد فرمایا: وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ جس کا بہت خوبصورت ترجمہ حضرت شاہ عبد القادرؒ نے یوں فرمایا ہے: "اور اپنے واسطے آگے کی تدبیر کرو"۔ یعنی قرآن حکیم کو جنسی فعل کے طریقوں سے بحث نہیں۔ وہ تو یہ یاد دلانا چاہتا ہے کہ زندگی کا یہ اہم ترین فعل اپنے ساتھ گراں بار ذمہ داریاں لاتا ہے جن کے واسطے مستقبل کی تدبیریں ضروری ہیں۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ "اپنے واسطے آگے کی تدبیریں کرو"۔

انسان کے ہر عمل کا نتیجہ اسی دنیا میں جلد یا بدیر اس کے آگے آتا ہے۔ اور ان نتائج کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ (CHAIN REACTIONS) قیامت کے دن تک جاری رہتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم کی بار بار تاکید ہے کہ جزا و سزا کے دن کو دُور نہ جانو۔ وہ تم سے قریب بلکہ قریب تر ہے۔ جو آیت ہمارے زیرِ غور ہے، اس میں آگے کی تدبیر کرنے کی ہدایت کے بعد قیامت کے دن اللہ کے آگے حاضر ہونے اور آخری جزا و سزا پانے کا ذکر ہے اور

---

[1] اپنے کئے کے نتیجے سے غافل نہ ہو کیونکہ گندم کے بیج سے گندم اور جَو کے بیج سے جَو ہی اگتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے آخر میں بشارت ہے ایمان والوں کے لئے. یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے فوری اور قیامت تک نہ ختم ہونے والے نتائج سے آگاہ رہے. جو لوگ ان نتائج سے آگاہ رہ کر زندگی کے راستوں پر بچ کر چلتے ہیں وہی متقی ہیں اور یقیناً ان ہی کے لئے دین و دنیا دونوں میں بھلائی ہے۔

(۳) زنا اور نکاح عمل کے لحاظ سے یکساں اور نتیجہ کے لحاظ سے یکسر مختلف ہیں. نکاح کی صورت میں جنسی فعل کے نتیجے کے طور پر حمل ٹھہر جائے تو میاں بیوی دونوں بچے کی پوری پوری کفالت اور بقدر استطاعت بہترین تربیت کا ذمہ لیتے ہیں اور معاشرہ اس ذمہ داری کا بار اٹھانے میں ان کی اخلاقی تائید کرتا ہے. زنا کی صورت میں بچہ کم و بیش بے سہارا رہ جاتا ہے. معاشرتی لحاظ سے (SOCIOLOGICALLY) زنا اور نکاح کا یہ بنیادی فرق ہے اور نکاح کی حکمت اسی میں مضمر ہے. اپنے نتائج کے اعتبار سے شادی شدہ جوڑے کا وہ جنسی فعل نکاح کی اس حکمت کا صحیح معنوں میں حامل ہے، جس میں بچے کو پالنے پوسنے کی ذمہ داری کا زوجین کو پورا پورا احساس ہو اور انہیں یقین ہو کہ وہ آنے والے بچے کی بخوبی کفالت کر سکتے ہیں. خاندانی منصوبہ بندی نکاح کی اس حکمت پر زور دیتی ہے۔

ہمارے بعض بزرگ خاندانی منصوبہ بندی کے اس لئے مخالف ہیں کہ ان کے نزدیک استقرار حمل کا ڈر زنا سے روکنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے اور ضبط ولادت کی تدبیریں اس ڈر کو دلوں سے نکال دیتی ہیں. میں سمجھتا ہوں کہ استقرار حمل کے ڈر کے ذریعہ زنا کو روکنے کا خیال اتنا ہی لغو ہے جتنا یا بجھ عورتوں کی عصمت پر بہتان لگانا۔ بلکہ اس کے برعکس استقرارِ حمل کا ڈر آبادی کے بڑے حصے کو جو بچے پالنے کی سکت نہیں رکھتا. زنا اور اس سے بھی کہیں زیادہ بری جنسی کجرویوں (SEXUAL PERVERSIONS) کی طرف لے جاتا ہے

علاوہ ازیں زنا کی سزا بچے کو دینا اور اسے بطور یرغمال استعمال کرنا قرآن حکیم کے تصورِ عدل کے سراسر منافی ہے کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰى (۶:۱۶۵ و ۱۷:۱۵) اور کسی شخص پر دوسرے کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا.
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲:۲۸۶) ہر ایک کو جزا یا سزا ملے گی صرف اسی کام کی جو اس نے کیا.
غرض خاندانی منصوبہ بندی شادی شدہ جوڑے کو ضبط نفس عاقبت بینی اور احساس ذمہ داری کی تعلیم دیتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس منصوبہ کی ترغیب و تبلیغ (MOTIVATION) میں اس کے اخلاقی پہلو پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جائے. کیونکہ ارشاد نبوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (صحیح بخاری) اعمال نیتوں سے ہیں

عظیم نفسیاتی حقیقت پر مبنی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اولادِ اطہار

حضور سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی سیرت قرآن مجسّم ہے! اسی لئے قرآن کا قول اور رسولؐ کا عمل ایک دوسرے کے شارح اور مویّد ہیں۔ اولاد کی قلّت و کثرت کے بارے میں قرآنی تعلیم کا عملی نمونہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نظر آتا ہے۔

بعثت سے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں جن میں سے صاحبزادے قاسم بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ عہد نبوت کے تئیس سال میں آپؐ کے یہاں صرف ایک صاحبزادہ ابراہیم تولّد ہوئے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے۔ ان کا بھی بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔

آپؐ کی ازواجِ مطہرات میں سے سوائے اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے کسی کے ہاں آپؐ سے اولاد نہیں ہوئی اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، حضرت خدیجہؓ کی اولاد بھی بعثت سے پہلے ہی تولّد ہو چکی تھی۔

آپؐ کی اولاد کی اس قلت بالخصوص اولادِ نرینہ کے نہ ہونے پر کثرتِ اولاد کے متوالے آپؐ کو طعنے دیتے تھے۔ آپؐ کو "الابتر" یعنی بے اولاد کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ لیکن قرآن حکیم نے واضح کر دیا کہ اصل سرمایہ اخلاقی اقدار ہیں۔ قرآن نے کہا کہ ولید بن مغیرہ جیسے کثرتِ اولاد پر نازاں سردارانِ قریش ہی دراصل بے اولاد ہیں۔ اس لئے کہ وہ نیک اعمال سے محروم ہیں۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (۱۰۸ : ۳) اس میں کچھ شک نہیں کہ اے رسول تمہارا دشمن ہی بے اولاد ہے۔

غرض اولاد کی صلاحیت و صالحیت سے قطع نظر اس کی محض کثرت و قلت کے بارے میں ایک طرف ولید بن مغیرہ کا شیوہ ہے اور دوسری طرف محمدؐ بن عبداللہ کا اسوہ ہے۔ آپؐ پر ہماری آل اولاد قربان۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ اے مسلمانو! تمہارے لئے بہترین نمونہ رسول اللہؐ کی سیرت أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳ : ۲۱) میں ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ۝

© rasailojaraid.com